جدید اردو تفاسیر میں تفسیر نکاح المقت

محمد یٰسین مظہر صدیقی

اصلاحِ معاشرت کے تعلق سے اسلام نے متعدد قوانین بنائے، کسی جاہلی قانون کو کالعدم قرار دیا، کسی کی اصلاح کی، کسی کی نوکِ پلک سنواری اور کسی کو جوں کا توں باقی رکھا۔ ان تمام اصلاحوں کے پیچھے حکمت و مصلحت کے عناصر کارفرما تھے۔ ایک ایسی رسم بد "نکاح المقت" (ناپسندیدہ نکاح) کی تھی۔ وہ جاہلی معاشرے میں بھی بری سمجھی جاتی تھی، اسی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔ عربوں کے بعض افراد و طبقات میں یہ برا رواج پڑ گیا تھا کہ وہ اپنی سوتیلی ماؤں سے باپ کے مرنے کے بعد نکاح کرلیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اصلاً ان کے توارث وترکہ کی ایک ریت تھی جو بعض بدقماشوں نے اپنالی تھی، ورنہ عرب جاہلی معاشرہ اس سے پاک تھا۔

ہمارے بعض مفسرین کرام نے متعدد طبقاتِ عرب کو اس ناپسندیدہ اور نفرت انگیز نکاح کا مجرم قرار دیا ہے جیسا کہ اگلی بحث میں آئے گا۔ ان کا پورا انحصار دراصل تعمیم کے انداز پر ہے۔ وہ عمومی روایات اور عام تبصروں کا سہارا لے کر بعض طبقات کو اس میں ملوث قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے سب سے عجیب وغریب یثرب/ مدینہ کے بعض طبقات کے عمومی ابتلا کا خیال ہے۔ ان بزرگوں کی نظر صرف مکہ اور مدینہ کے قریش و انصار قبائل پر ٹکی تھی لہٰذا وہ اس کے آگے نہیں دیکھ سکے، حالاں کہ وہ حقیقت نہیں ہے۔ امام ابن قتیبہ دینوریؒ جیسے ماہرین فن نے "نکاح المقت" کا جرم کرنے والوں کی ایک فہرست دی ہے جو دس سے آگے نہیں بڑھتی ہے!

بہرحال قرآن مجید نے اس نفرت انگیز رواج کی تحریم کو، جو پہلے سے موجود تھی،

وحیِ الٰہی سے مؤید کر کے مستقل بنا دیا۔ اور واضح الفاظ میں حکم نازل فرمایا: "ولا تنکحوا مانکح آباؤکم من النساء الا ماقد سلف انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا۔ (سورہ نساء-۲۲: اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ، مگر جو آگے ہو چکا، یہ بے حیائی ہے اور کام غضب کا، اور بری راہ ہے" شاہ عبد القادرؒ: (اور جن عورتوں سے تمہارے آباء نے جو نکاح کیا تھا وہ نکاح تم نہ کرنا، مگر جو ہو چکا، بلاشبہ یہ بے حیائی اور نفرت کا کام ہے اور برا طریقہ ہے)[۲] اس آیت کریمہ کی تفسیر وتشریح میں سابقہ نکاح مقت کے علاوہ بعض دوسرے احکام بالخصوص فقہی نظریات وآراء بھی زیر بحث آئے ہیں۔ اردو مفسرین کرام کی تشریحات کے حوالے سے ان کا ایک تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔ ان اردو والوں پر عربی کے قدیم وجدید مفسرین وشارحین کا اثر واضح طور سے نظر آئے گا کہ اس سے مفر نہیں۔

شاہ عبد القادر دہلویؒ نے مزید کوئی خاص تشریح نہیں کی ہے، صرف "الا ماقد سلف" مگر جو ہو چکا کو مزید مدلل کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے صرف ترجمہ کیا ہے اور حاشیہ وفائدہ کوئی نہیں دیا۔[۳] ڈپٹی نذیر احمدؒ نے زیادہ بحث اہل جاہلیت کے سلوک زن سے کی ہے اور آخر میں زیر بحث مسئلے پر لکھا: "الغرض یہاں تک عورتوں پر بے جا حقوق سمجھ رکھے تھے کہ بیٹا بھی اپنے باپ کا وارث ہوتا تو اپنی دوسری ماں سے نکاح کر لیتا۔ اللہ نے ان آیتوں میں ان سب حرکتوں سے منع فرمادیا۔" ڈپٹی موصوف نے اپنے ترجمہ میں اسے ماضی کا دستور قرار دینے کا صیغہ استعمال فرمایا ہے: "...... یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت ہی برا دستور تھا۔" مولانا آزاد نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔[۴]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں ترجمہ کے بعد اپنے اردو حواشی میں پہلے تو ترجمہ کی عبارت میں بعض باتیں بین قوسین بڑھائی ہیں اور ان کے لیے کشاف اور روح المعانی کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا موصوف نے روح المعانی کے زیرِ اثر اس آیت کی تشریح میں بھی صوفیانہ پہلو نکال لیا ہے کہ مرشد کو تائب گناہگار مرید کے پچھلے گناہوں اور تقصیروں کا حوالہ دے کر اسے شرمندہ نہ کرنا چاہیے۔ ان کی اصل تفسیر کے نکات ان ہی

کے الفاظ میں یہ ہیں:"(۱)...... جاہلیت میں بعض لوگ ایسا کرتے تھے مگر شائستہ لوگ اس زمانہ میں بھی ان کو برا جانتے تھے اور اس کو نکاحِ مقت کہتے تھے اور جو اس نکاح سے اولاد ہوتی تھی اس کو مقتی کہا کرتے تھے "کذا فی الکشاف" اسی لیے احقر نے اس میں عرف بڑھا دیا ہے کیوں کہ ان کے عرف میں اس کا لقب مقت مشہور تھا۔ اور عقلاً بے حیائی ہونا اور شرعاً بوجہ منہی عنہ ہونے کا اس کا برا طریقہ ہونا ظاہر ہے۔ (۲) حتی کہ اگر کوئی ایجاب وقبول کر بھی لے تو وہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ پس باطلِ محض ہے، اسی طرح نساءِ محرمات آئندہ بھی۔ اس کے اعلیٰ درجہ کے قبح ظاہر کرنے کے لیے وجوہ اس کی مذمت کی ارشاد فرمائیں ہیں۔ (۳) مسئلہ نکاح شرعاً حکم وطی میں ہے۔ جب باپ کی موطوءۂ حکمیہ سے نکاح حرام ہے تو جو اس کی موطوءہ حقیقیہ ہو، گو بلا نکاح ہو، اس سے بدرجہ اولیٰ نکاح حرام ہے (۴) اور یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا کہ جس عورت سے باپ نے زنا کیا ہو اس سے بیٹا نکاح نہیں کر سکتا (۵) اسی طرح جہاں جہاں نکاح سے تحریم مؤید ہوجاتی ہے زنا سے بھی ہوجاتی ہے۔" حاشیہ میں مولانا موصوفؒ نے عربی میں اسی بات کو مزید مدلل کیا ہے جو کشاف، روح المعانی وغیرہ سے مستعار ہے۔ حضرت گرامی نے کشاف وغیرہ کی عبارت کو حقیقت سمجھ کر قبول فرمالیا۔ مقتی اولاد کا ثبوت کسی بھی واقعہ، اثر یا شہادت سے نہیں ملتا۔ اسی طرح نکاح کے معنی کا معاملہ ہے۔[۵]

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ حضرت تھانویؒ کے مسترشد تھے مگر وہ قدیم تفاسیر سے بھی خوب استفادہ کرتے تھے۔ انھوں نے آیتِ مذکورہ بالا کے ترجمہ پر دو حواشی لکھے ہیں ایک "الا ماقد سلف" پر اور دوسرا آیت کریمہ کے اواخر میں۔ اول حاشیہ کے تحت، ان کے نکات ہیں:

"یعنی اس حکم کے نزول سے قبل جو ہو چکا، اب اس پر باز پرس نہیں۔ "ای قبل نزول آیة التحریم فانه معفو عنه (کبیر) لاتنکحوا. نکاح عقدِ تزوج کے معنی میں تو ظاہر ہی ہے لیکن یہاں اس سے وسیع تر لغوی مفہوم مطلق صحبت کرنے کا لیا گیا ہے۔ "فیه تحریم وطئ موطوئة الا ب بنکاح اوبملک یمین او بزنا ، کما هو

مذهبنا، وعليه كثير من المفسرين "(مدارک)

"مانكح آباؤكم" عرب جاہلیت کے اس دستور کی طرف اشارہ ہے کہ سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کرلیا جاتا تھا اور مدینہ میں یہ دستور زیادہ تھا: قال ابن عباسؓ وجمهور المفسرين: كان اهل الجاهلية يتزوجون بازواج آبائهم (كبير). وكانت هذه السيرة فى الانصار لازمة، وكانت فى قريش مباحة مع التراضى (قرطبی)

"مانكح" میں مامَنْ کے معنی میں ہے: ما بمعنى مَن (جلالين) وتكون ما بمعنى "الذى" .ومن والدليل عليه أن الصحابة تلقت الآية على ذلك المعنى" (قرطبى)

"آبائكم" اس کے ذیل میں وہ بیویاں بھی آگئیں جو دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی تھیں: واسم الآباء ينتظم الاجداد (روح) والآباء هنا يشتمل الاب ومن قبله من عمود النسب (نهر)

دوسرے حاشیہ کے تحت وہ لکھتے ہیں قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کیے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں:

"فاحشة" ۔ یہ دستور بجائے خود اور عقلاً بھی بڑی بے حیائی کی چیز ہے۔

"مقتاً" ۔ مذاقِ سلیم رکھنے والوں کے عرف میں بڑی بے حیائی کی چیز تھا۔ مقت کہتے ہیں ایسی بری چیز کو جسے دیکھ کر گھن یا کراہت پیدا ہو: "المقت بغض شديد لمن تراه تعاطى القبح (راغب)" ۔خود اہل جاہلیت بھی اس نکاح کو بہت بری نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کا نام ہی نکاح المقت پڑ گیا تھا۔

ساء سبيلا. یعنی اس کے نتائج بھی بڑے قبیح ہیں، امام رازیؒ نے فرمایا کہ قبح کے تین درجے ہوتے ہیں: ایک قبح عقلی، دوسرے قبح شرعی، تیسرے قبح عرفی ۔فاحشه میں اشارہ اول کی جانب ہے، مقتا میں دوم کی جانب، ساء سبيلا میں سوم کی طرف"۔ مولانا مرحوم نے پیشروؤں سے صرف اپنے مطلب کی باتیں اخذ کی ہیں اور مخالف موقف

والی قطعی نظر انداز کردیں۔ سوتیلی ماؤں سے نکاح جاہلی دستور نہ تھا، نکاح بمعنی جماع صحیح نہیں ہے اس طرح "ما" کی بحث۔ مفصل کلام تجزیہ میں آتا ہے۔[۶]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے تدبر قرآن میں نکاح المقت اور مقتی کی لغوی تشریح اور عربوں کے جاہلی رواج کا مختصر ذکر کر کے زواج المقت پر مختصر تبصرہ کیا ہے کہ ''عرب جاہلیت کے بعض طبقات میں یہ رواج تھا کہ باپ کی منکوحات بیٹے کو وراثت میں ملتی تھیں اور بیٹے ان سے زن وشو کے تعلقات قائم کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں محسوس کرتے تھے۔ اس آیت نے اس فعلِ شنیع کی حتمی ممانعت کردی...... '' مولانا موصوفؒ کا تیسرا نکتہ بہت اہم ہے۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ اس قسم کی برائیوں اور بے حیائیوں کا ذکر قرآن میں عام صیغے سے جو آتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس میں لازماً پوری قوم مبتلا تھی۔ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برائی کسی خاص طبقے کے اندر محدود ہوتی ہے لیکن اس سے متعلق قانون چوں کہ سب پر حاوی ہوتا ہے اس وجہ سے خطاب عام رہتا ہے۔ یہاں اس برائی کے لیے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ خود شاہد ہیں کہ اس کا کھلی ہوئی بے حیائی اور مبغوض ہونا عرب کے شرفاء کو بھی معلوم تھا۔''[۷] مولانا موصوف کا یہ تبصرہ کہ باپ کی منکوحات وراثت میں بیٹے کو ملتی تھیں قطعی غلط ہے اور قباحت محسوس نہ کرنے کی تردید خود ان کے دوسرے اور آخری تبصرے سے ہو جاتی ہے کہ وہ قباحت محسوس کرتے تھے۔

مولانا محمد جوناگڑھی کے ترجمہ پر مولانا صلاح الدین یوسف کا حاشیہ انتہائی مختصر ہے:

'' (۴) زمانہ جاہلیت میں سوتیلے بیٹے اپنے باپ کی بیوی (یعنی سوتیلی ماں سے) نکاح کر لیتے تھے۔ اس سے روکا جا رہا ہے کہ یہ بہت ہی بے حیائی کا کام ہے۔ (لاتنکحوا مانکح آباؤکم) کا عموم ایسی عورت سے نکاح کو ممنوع قرار دیتا ہے جس سے اس کے باپ نے نکاح کیا لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ بات مروی ہے اور علماء اس کے قائل ہیں (تفسیر طبری)۔'' سوتیلی ماں سے شادی کو ایک عام ابتلاء قرار دینے کا تعمیمی رجحان اس تشریح میں موجود ہے۔ چند کے جرم کو

پوری قوم کے سر منڈھ دیا گیا ہے۔ ۸

شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور نواب وحید الزماں حیدر آبادیؒ بالخصوص موخر الذکر کے ترجمہ پر جو حاشیہ ہے وہ یہ ہے:

"ف۳۰ جاہلیت کے دستور کے مطابق بیٹے کے لیے اپنے باپ کی منکوحہ (سوتیلی ماں) سے شادی کر لینا جائز تھا۔ چناں چہ حضرت قیس بن اسلتؓ نے اپنے والد کی وفات پر جب اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اسے سخت حرام قرار دیا۔ (ابن کثیر) حدیث سے ثابت ہے کہ ایسا نکاح کرنے والا واجب القتل ہے (مسند احمد)۔

مفتی محمد شفیعؒ نے اپنے معارف القرآن میں حسب دستور ترجمہ اور خلاصۂ تفسیر میں مولانا تھانویؒ کے ترجمہ وتشریح دینے کے بعد محرمات کی تفصیل دی ہے اور معارف و مسائل کے تحت ان پر مفصل بحث میں آیت کریمہ سے متعلق بعض باتیں عام انداز سے اور بعض خاص انداز سے کہی ہیں۔ ان کی بحث مختصر کے نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ "ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم" جاہلیت کے زمانہ میں اس میں کوئی باک نہیں کیا جاتا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے۔ اس آیت میں اللہ پاک نے اس بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے منع فرمایا اور اس کو موجبِ مقت یعنی خدائے پاک کی ناراضگی کا باعث بتایا۔ ظاہر ہے کہ یہ کیسی اخلاق کی موت اور کردار کی خرابی ہے کہ جس کو ایک عرصہ تک ماں کہتے رہے، اس کو باپ کی موت کے بعد بیوی بنا کر رکھ لیا۔

۲۔ مسئلہ: آیتِ شریفہ میں باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی ہے کہ باپ نے ان سے وطی بھی کی ہو، لہٰذا کسی بھی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کے لیے نکاح کبھی بھی حلال نہیں۔

۳۔ اسی طرح بیٹے کی بیوی سے باپ کو نکاح کرنا درست نہیں، اگر چہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہے: قال الشامی: وتحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد

العقد دخل بها اولا."

۴۔مسئلہ:اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کرلیا ہوتو بھی بیٹے کواس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔"

مولانا مفتی مرحوم نے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کے سلسلے میں سوتیلی کی قید نہیں لگائی جو ضروری تھی کیوں کہ ابھی تک جاہلی دور کی ایک روایت بھی نہیں ملی جس کے مطابق جاہلیت والے اپنی سگی ماں سے نکاح کر لینے کے مرتکب ہوئے ہوں۔ دوسرے "جاہلیت میں کوئی باک نہیں کیا جاتا تھا" کا فقرہ بھی تعمیم کا انداز رکھتا ہے۔ اول تو وہ عام نہیں تھا دوسرے اس میں قطعی باک سمجھا جاتا تھا ورنہ وہ نکاح مقت کیوں کہلاتا۔ باپ کی منکوحہ سے نکاح کے حرام ہونے اور عدم وطی کی بحث بھی یہ ثابت کرتی ہے کہ آیت میں نکاح سے مراد عقد زواج ہے، وطی و جماع نہیں۔ پھر نکاح محرمات کا باطل ہونا ظاہر ہے جیسا کہ ان کے مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے۔[۹]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں آیت کریمہ سے متعلق تین حواشی تحریر فرمائے ہیں: اول کا تعلق "الا ماقد سلف" کے اصول قرآنی اوراس کے اطلاق سے ہے، دوسرے کا محرمات سے نکاح کرنے کے بارے میں اسلامی قانون سے اور تیسرے میں باپ سے ناجائز تعلق رکھنے والی عورت کا بیٹے پر حرام ہونے سے ہے۔ ان تینوں کو بالترتیب نقل کیا جاتا ہے:

"۳۲۔ تمدنی اور معاشرتی مسائل میں جاہلیت کے غلط طریقوں کو حرام قرار دیتے ہوئے بالعموم قرآن مجید میں یہ بات ضرور فرمائی جاتی ہے کہ "جو ہو چکا سو ہو چکا"۔ اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ بے علمی اور نادانی کے زمانے میں جو غلطیاں تم لوگ کرتے رہے ہو ان پر گرفت نہیں کی جائے گی بشرطیکہ اب حکم آجانے کے بعد اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلو اور جو غلط کام ہیں انھیں چھوڑ دو۔ دوسرے یہ زمانۂ سابق کے کسی طریقے کو اب اگر حرام ٹھہرایا گیا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ پچھلے قانون یا رسم ورواج کے مطابق جو کام پہلے کیے جا چکے ہیں ان کو کالعدم اور ان سے پیدا شدہ نتائج کو

ناجائز اور عائد شدہ ذمہ داریوں کو لازماً ساقط بھی کیا جارہا ہے۔ مثلاً اگر سوتیلی ماں سے نکاح کو آج حرام کیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب تک جتنے لوگوں نے ایسے نکاح کیے تھے ان کی اولاد حرام قرار دی جارہی ہے اور اپنے باپوں کے مال میں ان کا حق وراثت ساقط کیا جارہا ہے۔ اسی طرح اگر لین دین کے کسی طریقے کو حرام کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلے جتنے معاملات اس طریقے پر ہوئے ہیں انھیں بھی کالعدم ٹھہرادیا گیا ہے اور اب وہ سب دولت جو اس طریقے سے کسی نے کمائی ہو اس سے واپس لی جائے گی یا مال حرام ٹھہرائی جائے گی۔

۳۳ اسلامی قانون میں یہ فعل فوج داری جرم ہے اور قابل دست اندازی پولیس ہے۔ ابو داؤد، نسائی اور مسند احمد میں یہ روایات ملتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو موت اور ضبطی جائداد کی سزا دی ہے۔ اور ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے یہ قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا تھا کہ: "من وقع علی ذات محرم فاقتلوه": جو شخص محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کرے اسے قتل کردو۔" فقہاء کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ امام احمد تو اسی بات کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کو قتل کیا جائے اور اس کا مال ضبط کرلیا جائے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ اگر اس نے محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کی ہو تو اس پر حدِ زنا جاری ہوگی اور اگر نکاح کیا ہو تو اسے سخت عبرتناک سزا دی جائے گی۔

۳۴ ماں کا اطلاق سگی اور سوتیلی ماں دونوں قسم کی ماؤں پر ہوتا ہے اس لیے دونوں حرام ہیں نیز اس حکم میں باپ کی ماں اور ماں کی ماں بھی شامل ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ جس عورت کے ساتھ باپ کا ناجائز تعلق ہو چکا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے یا نہیں۔ سلف میں سے بعض اس کی حرمت کے قائل نہیں ہیں اور بعض اسے بھی حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک جس عورت کو باپ نے شہوت سے ہاتھ لگایا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے۔ اسی طرح سلف میں اس امر پر بھی اختلاف رہا ہے کہ

جس عورت سے بیٹے کا ناجائز تعلق ہو چکا ہو، وہ باپ پر حرام ہے یا نہیں۔ اور جس مرد سے ماں یا بیٹی کا ناجائز تعلق رہا ہو یا بعد میں ہو جائے اس سے نکاح ماں اور بیٹی دونوں کے لیے حرام ہے یا نہیں۔ اس باب میں فقیہانہ بحثیں بہت طویل ہیں۔ مگر یہ بات باد نیٰ تامل سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی شخص کے نکاح میں ایسی عورت کا ہونا جس پر اس کا باپ یا اس کا بیٹا نظر رکھتا ہو، یا جس کی ماں یا بیٹی پر بھی اس کی نگاہ ہو ایک صالح معاشرت کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہوسکتا۔ شریعتِ الٰہی کا مزاج اس معاملہ میں ان قانونی موشگافیوں کو قبول نہیں کرتا جن کی بنا پر نکاح اور غیر نکاح اور قبل نکاح اور لمس اور نظر وغیرہ کا فرق کیا جاتا ہے۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ خاندانی زندگی میں ایک ہی عورت کے ساتھ باپ اور بیٹے کے یا ایک ہی مرد کے ساتھ ماں اور بیٹی کے شہوانی جذبات کا وابستہ ہونا سخت مفاسد کا موجب ہے اور شریعت اسے ہرگز برداشت نہیں کرسکتی۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ "من نظر الی فرج امرأة حرمت علیه امها و ابنتها": جس شخص نے کسی عورت کے اعضاء صنفی پر نظر ڈالی ہو اس کی ماں اور بیٹی دونوں اس پر حرام ہیں۔ اور "لا ینظر الله الی رجل نظر الی فرج امرأة و ابنتها": خدا اس شخص کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا جو بیک وقت ماں اور بیٹی دونوں کے اعضاء صنفی پر نظر ڈالے"۔ ان روایات سے شریعت کا منشا صاف واضح ہو جاتا ہے۔" ۱۰ مولانا مرحوم نے عام مفسرین کی مانند سوتیلی ماں سے نکاح کی تحریم کو نزول آیت کریمہ کے بعد مانا ہے حالاں کہ وہ قدیم دین ابراہیمی کا قانون ہے جو عربوں میں رائج چلا آرہا تھا، ورنہ وہ اسے نکاح مقت کیوں کہتے۔ دوسرے فرج کا ترجمہ اعضاء صنفی بہت وسیع ہو جاتا ہے، اس کو مقام خاص تک محدود کرنا چاہیے کہ حدیث کے لفظ کا تقاضا یہی ہے۔

مختصر تجزیہ:

اگرچہ تفسیرِ آیت کریمہ میں زیادہ توجہ اردو مفسرین کی تشریحات پر مرکوز رکھی گئی ہے تاہم بعض بنیادی عربی تفاسیر کی بعض روایات و آراء اس میں از خود آگئی ہیں۔ وجہ بہت

صاف وسادہ ہے کہ اردو مفسرین نے اہم اسلامی مفسرین سے استفادہ کیا اور اس کے بغیر ان کا گزارہ بھی نہ تھا۔ خلف بہر حال سلف پر انحصار کرنے پر فطری اور تاریخی طور سے مجبور ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ متعدد اردو مفسرین نے اپنے خاص فقہی نقطۂ نظر کے مطابق پیش رو مفسرین کی آراء وتعبیرات میں سے صرف اپنی پسندیدہ روایات لی ہیں سوائے ایک آدھ کے۔

مذکورہ بالا مفسرین وشارحین کی تعبیرات پر نکتہ بہ نکتہ مختصر تبصرہ کرنا ضروری اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔

ا۔ اول بحث یا نکتہ یہ ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح عرب جاہلی معاشرہ کا عام دستور نہ تھا جیسا کہ متعدد حضرات کرام نے بتادیا ہے۔ وہ چند افراد بلکہ گنے چنے افراد کا انحراف تھا جو اپنے دینی اور معاشرتی دستور کو توڑ کر اپنایا گیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عرب جاہلی معاشرے میں بھی اس نکاح کو صحیح نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسے سندِ صحت و قبول حاصل نہ تھی۔ اسی بنا پر اس کو "نکاح المقت" کہا گیا۔ وہ صرف شرفاء واکابر کے معیارِ شرافت ہی کے خلاف نہیں تھا بلکہ ان کے دینی نظام اور معاشرتی دستور کے بھی خلاف تھا۔ عرب جاہلی معاشرہ نے اس نکاح کو حرام ہی سمجھا اور قرار دیا، جس طرح دوسرے بعض معاشرتی اور دینی انحرافات کو حرام سمجھا اور قرار دیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس جاہلی معاشرے نے اس حرام نکاح کو برداشت کر لیا تھا اور اسلامی قانون نے اس حدِ برداشت کو بھی توڑ دیا۔ حرام تو وہ پہلے ہی تھا یعنی دین ابراہیم میں جس کے وہ پیروکار تھے اس کی طرف ان شارحین نے توجہ نہیں کی اور بعض پیش رو مفسرین کی عمومی آراء قبول کر لیں جیسے مقتی اولاد وغیرہ اور ان کی آثار وروایات سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اب اسلامی آخری شریعت نے اس حرام کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ اسلامی قوتِ نافذہ۔ اسلامی ریاست۔ نے اس کے لیے حدود وتعزیرات اور قوانین نہ صرف بنائے بلکہ بزور شمشیر ان کا نفاذ بھی کیا۔ آیتِ کریمہ میں اس کا نظری تحریمی نفاذ ہے اور احادیث وسننِ نبوی میں اس کا عملی اور حقیقی نفاذ ملتا ہے۔ اور واقعات سیرت وتاریخ حقیقی شہادت فراہم کرتے ہیں۔

۲۔ بعض مفسرین کرام بالخصوص ڈپٹی نذیر احمدؒ نے سابقہ آیاتِ کریمہ میں عائلی اور نکاحی قانونوں اور رواجوں سے اس آیتِ کریمہ کو جوڑا ہے اور نظمِ قرآن مجید کے لحاظ سے وہ اہم ترین ارتباط ہے جس کا احساس بعض حاملینِ نظم بھی نہیں کرسکے۔ سوتیلی ماں سے نکاح کی تحریم دراصل جاہلی دور میں رائج متعدد نکاحوں کی تحریم سے وابستہ ہے اور جن کا ذکر حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں ملتا ہے۔ حدیث بخاری – ۵۱۲۷ کے مطابق چار قسم کے نکاح اس دورِ جاہلی میں رائج تھے جن میں تین کو محمدی شریعت نے کالعدم قرار دیا اور صرف ایک نکاح کو باقی رکھا جو عہد نبوی اور دوسرے اسلامی ادوار میں بلکہ آج تک رائج ہے۔ سوتیلی ماں سے باطل نکاح کا تعلق ان سابقہ مردود اور حرام نکاحوں سے تھا اور قرآن مجید نے اس کی شدید شناعت کے پیش نظر اس کا خاص ذکر کیا۔ بقیہ کو وحیِ حدیث کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ بحث کافی طویل ہے اور اس کے لیے شروح حدیث کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔[۱۱]

۳۔ آیتِ کریمہ کا ترجمہ میں بالعموم تمام ہی مترجمین نے الفاظِ قرآنی میں سے ایک خاص لفظ کا خیال نہیں کیا ہے۔ اور وہ ہے: "ما" یعنی فرمایا گیا: "ولا تنکحوا مانکح آباؤکم من النساء الخ"۔ اس کا بہتر اور لفظِ قرآنی کے مطابق ترجمہ ہوگا "اور تم وہ نکاح نہ کرنا جو تمہارے آباء اجداد نے عورتوں سے کیا ہے۔" اس میں سوتیلی ماؤں کے علاوہ تمام نکاح جاہلی بھی آجاتے ہیں۔ جن مفسرین وشارحین کو لفظ "مانکح" نے الجھن میں ڈالا انھوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ "ما" یہاں بمعنی "من" ہے جیسا کہ قرطبی اور جلالین کے حوالے سے تفسیر دریا آبادی میں گزرا۔ امام قرطبیؒ[۱۲] نے یہ تو تسلیم فرمایا کہ صحابہ کرامؓ نے اسی معنی کو کہ "جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا" یعنی بمعنی "من" کے مطابق ہی اس لفظ قرآنی کو پایا اور سمجھا تھا۔ مگر اس سے بحث نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "ما" کو کیوں استعمال فرمایا؟ وہ بآسانی "من" بھی اس کی جگہ استعمال کرسکتا تھا۔ لہٰذا نظمِ قرآنی اور اصول تفسیر دونوں بتاتے ہیں کہ یہاں "مانکح آباؤکم من النساء" کا "من نکح آباؤکم من النساء" سے بڑا اہم امتیاز وفرق ہے اور وہ عام ومطلق اور خاص ومقید کا فرق ہے۔ "من" میں صرف نکاحی بیویاں شامل ہوجاتیں۔ "مانکح

آبــاؤ کــم“ میں آباء اجداد اور بالخصوص باپوں کے عورتوں سے ہر طرح کے جاہلانہ نکاح بالخصوص ان کے طریقے بھی آ گئے۔ قرآن مجید میں ”مــا“ اور ”مــن“ کے ایسے ہی بہت سے مقاماتِ امتیاز ہیں۔ امام رازیؒ نے اس کی یہی تعبیر کی ہے: ”۱۳۳..... وعــلــی هــذا یـکـون الـمراد منه النهی عن ان تنکحوا نکاحا مثل نکاح آباؤ کم.....“ لہٰذا ترجمہ میں اس کی رعایت ضروری ہے۔

۴۔ اسی لفظ و نظمِ قرآنی اور اصول وضابطۂ ترجمانی کا دوسرا اقتضا یہ ہے کہ لفظِ نکاح کو اس کے عرفی معنوں میں رکھا جائے۔ اس سے عقدِ زوجیت ہی مراد ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ نکاح استعمال فرمایا ہے اور اس سے معروف نکاح وشادی اور بیاہ کے معنی ہی مراد لیے جاتے ہیں اور کوئی بھی اسے لغوی معنی وطی یعنی جماع کے معنی میں نہیں لیتا۔ عرب جاہلی کے دستورِ نکاح ہوں یا اسلامی تصورِ عمل نکاح دونوں میں صرف نکاح کے معنی شادی اور ازدواج کا بندھن ہے۔ جن مفسرین کرام نے ایک خاص نقطۂ نظر سے متاثر ہو کر یہاں نکاح کو جماع - جائز و ناجائز - کے معنی میں لیا ہے اور لغوی معنی ہی کو راجح کہا ہے انھوں نے نظمِ قرآنی اور اصولی تفسیر دونوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر زنا، جماع وغیرہ کے معنی پر مشتمل الفاظ اس تعلقِ شہوانی کے قیام واظہار کی خاطر استعمال کیے ہیں۔ اس کی مراد اگر جماع اور نفسانی خواہش کا تقاضا پورا ہونے سے ہوتی تو وہ ان معانی کا حامل لفظ یہاں بھی لاتا۔ مگر اس نے دونوں جگہ ” ولا تنکحوا“ اور ” مــا نـکـح آباؤ کم“ صرف لفظ نکاح استعمال کی جو صرف اصطلاحی معنی رکھتا ہے اور ان سے جماع مراد نہیں ہو سکتا۔ ورنہ الزامی طور سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر آباء کا نکاح زنا کے زمرے میں تھا تو مخاطبین کو بھی ان سے زنا نہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کیوں کہ دونوں جگہ لفظ نکاح ہی ہے اور دونوں کا معنی یکساں ہونا چاہیے۔

امام ابن تیمیہؒ وغیرہ نے قرآنی مترادفات اور الفاظ کے سلسلے میں ایک نادر، بے مثال اور مستقل اصول بیان فرمایا ہے۔ اول یہ کہ قرآن مجید میں مترادفات نہیں ہیں اور دوم یہ کہ جو لفظ جس جگہ استعمال ہو گیا ہے اس کے وہی معنی ہیں جو متبادر ہیں اور جن کی

طرف اہل زبان کا ذہن فوراً جاتا ہے۔ لہٰذا متبادر معنی ہی مراد لینے ضروری اور لازمی ہیں اوران کو کسی حال میں بھی نہیں چھوڑا جاسکتا:

''...... **فان الترادف فی اللغة قلیل، وما فی الفاظ القرآن فإما نادر وإما معدوم، وقل ان یعبر عن لفظ واحد بلفظ واحد یودی جمیع معناه بل یکون فیه تقریب لمعناه......** ۱۴؎ ومابعد آیت کریمہ میں نکاح کے لفظ کو دوسرے معانی میں لیے جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ متبادر ومعروف واصطلاحی معانی کو چھوڑ کر ایسے الفاظ ومعانی سے تعبیر کی جائے جو لفظ قرآنی کی مراد نہیں ہیں۔ متبادر ومعروف معنی ہی کو انھوں نے مرادالٰہی بھی قرار دیا ہے۔ لہٰذا نکاح سے جماع یا وطی مراد لینا صحیح نہیں ہے اور ایسا صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ پہلے ایک طے شدہ نظریہ یا خیال کے مطابق آیتِ کریمہ کا مطلب لیا اور بیان کیا جائے۔ اس رجحان نے متعدد آیاتِ کریمہ کے معانی کے ساتھ ظلم روا رکھا ہے اور ان میں مثال کے طور پر سورۂ روم: ۳۹ میں وارد لفظ ''ربوا'' کے اصل معنی سے ہٹا کر اپنے مزعومہ معانی کا لباس پہنانے کی سعی نامشکور ہے۔

۵۔ آیت کریمہ میں لفظ نکاح کے لغوی معنی وطی اور جماع کو مزید وسعت دے کر زنا تک لے جایا گیا۔ اس کا احاطہ صرف اپنے خاص افکار وتاویلات کے سبب کیا گیا ہے ورنہ آیتِ کریمہ سے اس کا استشہاد یا استنباط صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ بات اپنی جگہ صحیح ہے جیسا کہ مولانا مودودی نے مزاجِ شریعت کے حوالے سے اظہار خیال کیا ہے کہ ایسی عورت سے جس سے باپ یا بیٹے یا کسی دوسرے محرم کا جسمانی تعلق رہ چکا ہو اس کو نکاح میں لانا یا اس سے تعلقِ زن وشو قائم کرنا صریح بے حیائی ہے اور عقل اور شریعت، تہذیب وشرافت کوئی بھی اس کی اجازت نہیں دیتے، صرف بے غیرتی، کجروی اور انحراف اجازت دیتا ہے بیسواؤں اور کسبیوں تک کے ضوابطِ تعلقات میں اس کا اہتمام رکھا جاتا تھا کہ اگر کوئی باپ کی منظورِ نظر رہ چکی تھی تو وہ اس کے بیٹے کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتی تھی۔ اب اگر کوئی ان اخلاق باختہ اور آبرو فروش عورتوں سے بھی زیادہ بے حیائی اور حرام کاری پر اترنا چاہے تو اس کے لیے پھر کوئی حد اخلاق ہی نہیں۔ وہ جانور سے بھی بدتر ہے بلکہ ابلیس بھی اس سے پناہ مانگے ہے۔

۶۔ ایک عمومی رجحان یہاں خاص میلان بن کر ابھرتا ہے اور وہ ہے پیش روؤں سے صرف اپنے مطلب کی بات لینا اور ان کے دوسرے آراء اور دلائل سے صرف نظر کرنا۔ زنا سے تحریم کے ثبوت میں بعض ائمہ کرام کا مسلک اور مفسرینِ عظام کا موقف تو نقل کیا گیا لیکن دوسرے منافی یا مخالف آراء ونظریات اور ان کے دلائل کو صاف نظر انداز کر دیا گیا۔ یہ خالص جانب دارانہ تفسیر ہے۔ اس سے عام قاری کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ منقولہ اقوال کے حاملین کرام بھی اسی موقف کے قائل تھے حالاں کہ ان کا نقطۂ نظر قطعی دوسرا تھا۔ پوری بحث کا یہ موقع نہیں کہ طول کلام ہوگا۔ صرف امام رازیؒ کی بحث بر زنا سے تحریم کی طرف توجہ دلانا کافی ہے کہ نکاح سے جو مصالح وفوائد حاصل ہوتے ہیں وہ زنا سے نہیں ہوتے۔ اسی طرح اس سے صرف تحریم/حرمت کیوں کر ثابت ہو سکتی ہے جب کہ وصیت، وراثت، نسب وغیرہ کچھ نہیں ثابت ہوتا لیکن امام رازی سے یہ بحث نقل نہیں کی گئی اور نہ ان کا موقف بتایا گیا۔ بلا شبہ امام رازی کی تفسیر اس نکتہ پر سب سے محققانہ اور صحیح ہے۔[15]

۷۔ آخری بات یہ ہے کہ متنِ قرآن کریم میں صرف الفاظ قرآنی کے معانی اور متبادر وظاہری معانی لینے چاہئیں اور معروف معانی سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔ پھر تعبیر و تشریح میں اپنا مسلک اور موقف ضرور بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس سے کیا کیا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اور استنباطی مسائل وآراء اور تعبیرات پر ہی ہمیشہ اختلاف فقہاء ومفسرین رہا ہے۔ اور وہ صحیح بھی ہے کہ ہر شخص اپنے اصول وفہم کے مطابق استنباط کرتا ہے۔ اس مسئلہ پر جو آیت مذکورہ میں نکاح المقت کے حوالے سے آیا ہے اختلافِ فقہاء سلف وخلف ملتا ہے۔ اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ استنباطی تعبیرات حتمی اور قطعی نہیں ہوتیں۔ صرف مخصوص احکام قطعی ہیں اور ان پر اختلاف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باپ کی منکوحہ سے نکاح ہر ایک کے نزدیک حرام ہے اور کوئی کرلے تو باطل محض ہے۔ اس پر اجماع کلی ہے۔ زنا سے حرمت وتحریم کا معاملہ استثنائی ہے اور اس پر اختلاف ہے اور اختلاف والے اپنے اپنے اختلاف کو مانیں یا نہ مانیں وہ ان کی منشا ہے، مگر وہ یقیناً منشائے الٰہی اور منشائے شریعت نہیں ہے۔

حواشی ومراجع

۱ امام ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ۱۱۲-۱۱۳: (تسمیہ من خلف امراۃ ابیہ بعدہ میں صرف سات خواتین کا ذکر ہے)

۲ شاہ عبدالقادر دہلوی، تفسیر موضح القرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۳۶۵، ص ۷۸

۳ شاہ ولی اللہ دہلوی، فتح الرحمان، بحوالہ پانچ ترجمہ والا قرآن مجید، اقبال پرنٹنگ پریس، دہلی، ب ت، ص ۱۰۸

۴ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی، ۱۹۶۶ء، (بار اول) ۲/ ۴۴۴

۵ مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، ۱۳۷۳، ۲/ ۱۰۷-۱۰۸

۶ مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر قرآن (تفسیر ماجدی)، صدق جدید بک ایجنسی، لکھنؤ، ب ت، ۲/ ۳۰-۳۲

۷ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۲/ ۲۷۱-۲۷۲

۸ مولانا صلاح الدین یوسف حاشیہ بر ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ، ص ص ۲۱۲-۲۱۳

۹ مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند، ب ت، ۲/ ۳۵۵-۳۵۸

۱۰ مولانا سید ابوالاعلی مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۳، ۱/ ۳۳۵-۳۳۷

۱۱ امام ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۷، ۹/ ۲۲۸-۲۳۵؛ محمد یٰسین مظہر صدیقی، وحی حدیث، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء

۱۲ امام قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، تحقیق عبدالرزاق المہدی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲۰۰۰م، الطبعۃ الثانیۃ، ۵/ ۹۹-۱۰۰؛ جلال الدین سیوطی وغیرہ، تفسیر جلالین، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱۳۷۶، ص ۷۳

۱۳ امام رازی، التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۵، الطبعۃ الاولی، ۴/ ۹

۱۴ امام ابن تیمیہ، مقدمۃ فی اصول التفسیر، دمشق، ۱۹۳۶، ص ۱۱، نیز ظاہری معانی (متبادر) کے لیے ملاحظہ ہو محمد یٰسین مظہر صدیقی، ''متن قرآن کریم: تشریح وتفسیر'' مشمولہ علم شرح، تعبیر اور تدریس متن، شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۰۲

۱۵ التفسیر الکبیر، ۴/ ۲۱-۲۲

☆